ابوسلمان شاہجہانپوری

سردار محمد امین خاں کھوسو مرحوم

سندھ کا ایک انقلابی رہنما

جن شخصیات سے مجھے دلچسپی ہے اور میرے مطالعہ و تفکر کا خاص موضوع رہی ہیں، ان میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم ایک خاص اہمیت کی شخصیت ہیں۔ مولانا سندھی مرحوم بڑے بیدار مغز اور روشن خیال عالم دین اور مذہبی انقلابی شخصیت کے مالک تھے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار و افادات کے مُطالعہ و تدبر، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی تعلیم و تربیت اور عالم اسلام کی تاریخ و تحریکات اور ان کے اپنے عہد کی بین الاقوامی سیاست اور افکار و تحریکات کے مطالعہ و مشاہدہ اور ان پر نظر و تدبر نے ان کے دماغ اور ان کی بصیرت کو اعجوبۂ روزگار بنا دیا تھا۔ انھوں نے اسلام کی روح اور وقت کے مزاج کو جس طرح سمجھا، اس میں ایک دو شخصیات کو مُستثنیٰ کر دینے کے بعد اس عہد میں ان کا کوئی مثیل نہیں۔ وہ عہدِ جدید کی تشکیل کے لیے ایک مستقل نظام فکر رکھتے تھے، وہ نظامِ فکر جو قرآن حکیم کے عمیق مطالعے اور کمالِ تدبر پر مبنی ہے، جس کی صداقت پر انقلاباتِ عالم نے مہریں ثبت کی ہیں اور مشاہدات و تجربات نے اس پر ان کے یقین کو عین الیقین بنا دیا تھا۔ یہی وہ انقلابی فکر ہے جس پر مستقبل میں آرہے

ملک کے نظامِ سیاسی و معاشی کی تشکیل کا دار و مدار ہے۔

ہمارے ملک میں مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام ہائے فکر کے مطابق ملک کی تعمیر و تشکیل کے لیے راہ ہموار کر رہی ہیں۔ لیکن کسی جماعت کے پاس بھی کوئی ایسا نظام اور تصورِ انقلاب موجود نہیں ہے جس میں دُنیا و آخرت اور جسم و رُوح کی تمام سعادتوں کو اور انسان کی انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر کامل توازن اور حسن تناسب کے ساتھ سمیٹ لے اور زمانے کے تقاضوں کا اس کے پاس جواب بھی ہو۔ یہ کوششیں خواہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ ہوں لیکن مختلف دائروں اور مختلف سطحوں کی کوششیں ہیں اور جامعیت کی خوبی کسی میں بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی جماعت اسلامی تعلیمات کے مطابق پورے نظامِ زندگی میں انقلاب لانے کی داعی ہے تو فی الحقیقت وہ بھی زندگی کی ایک خاص سطح کی بات کرتی ہے اس کے دائرۂ فکر میں نہ اسلامی نظامِ حیات کا تصور واضح ہے اور نہ اس کے پاس قومی زندگی کے مختلف دائروں، مختلف طبقوں اور مختلف سطحوں کے بارے میں کوئی جامع پروگرام ہے۔ انٹرنیشنل سطح پر اسلامی فکر کی رہنمائی کے لیے تو ناقص درجے میں بھی کوئی تصور اس کے پاس موجود نہیں ہے۔ وہ وجودِ مقدس و گرامی صرف حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کا ہے جس کے نظامِ فکر میں انسان کی زندگی کی ادنیٰ سطح سے کر اعلیٰ سطح تک اور فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق رہنمائی کا صرف جامع تصور ہی نہیں بلکہ ایک جامع پروگرام بھی ہے۔ یہ پروگرام نوعِ انسانی کی اجتماعی و سیاسی زندگی کی ہر سطح اور ہر دائرے اور ہر طبقے کے لیے سعادتوں کا جامع ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس عہد میں اللہ کے وہ نذیر تھے جنھوں نے دُنیا کو بتایا کہ اگر اسلام کے فلسفۂ انقلاب کو نہ اختیار کیا گیا تو زمانے کے انقلاب و حوادث کے ہلاکت خیز ہاتھوں سے نہ تمھاری مسجدیں بچیں گی نہ خانقاہیں اور یہ فرسودہ رسوم و روایات اور عہدِ تنزل کی پیداوار یہ تہذیبی و معاشرتی زندگی جو تم نے اسلام کے مقدس نام پر اختیار کر رکھی ہے، سیلابِ حوادث کے تھپیڑوں میں اس کا سارا تار و پود بکھر جائے گا۔ زمانہ ایک انقلابِ آفریں دور سے گزر رہا ہے، تہذیبی و معاشرتی زندگی کی بوسیدہ اقدار مٹ

رہی ہیں اور ایک روز صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں گی اور اسلام کے مقدس نام کا تمھارا وِرد ان اقتدار کو مٹنے اور فنا ہو جانے سے بچا نہ سکے گا۔ عالمِ انسانی میں ایک بھونچال آیا ہوا ہے، اس کے اثرات رفتہ رفتہ ایک ایک قلب اور ایک ایک رُوح کو احاطہ کرلیں گے۔ تمھاری رجعت پسندی جس کا نام تم نے اسلامی زندگی رکھا ہے تمھیں لے ڈوبے گی اور تمھارا یہ اسلام تمھارے کسی کام نہ آئے گا۔ تم اس کا انتظار نہ کرو کہ اللہ کا حکم آئے اور تمھارے لیے فیصلہ لکھ دیا جائے۔ اللہ کا فیصلہ لکھا جانے سے پہلے تم اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرلو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ	اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت ہرگز
يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱۳ : ۱۱)	نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنا نہ چاہیں۔

مولانا سندھیؒ اس عہد میں اللہ کے بشیر بھی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام کوئی رجعت پسندانہ تحریک نہیں، وہ کوئی خانقاہی نظام نہیں۔ اسلام انسان کو اس کی نجات کے لیے معاشرتی اور اجتماعی زندگی ترک کرکے انسانی آبادیوں سے جنگل میں نکل جانے، پہاڑوں کے غاروں میں اپنے آپ کو مقید کردینے اور اپنی رُوح اور اپنے جسم پر ظلم کرنے اور دوسروں کے کمائے ہوئے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرنے کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام دنیا میں حکمرانی، کرۂ ارضی کے امن کے قیام، نوعِ انسانی کے لیے سروسامانِ حیات اور انسان کے لیے دنیوی اور اُخروی سعادتوں کے اہتمام کے لیے آیا ہے۔ آج مسلمانوں کے لیے وقت کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ مکاتبِ فکر کی چوکھٹوں پر گدایانہ جبیں سائی کریں بلکہ وہ قرآنِ حکیم کے صرف ایک نسخۂ کیمیا کو لے کر اُٹھیں اور انسانی زندگی کی ہر سطح پر اور زندگی کے ہر دائرے میں قوم کے تمام طبقات اور تمام قوموں کی رہنمائی کریں۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ	تم ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو۔ اگر تم سچے مومن
الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۳ : ۱۳۹)	ثابت ہو تو تم سب سے برتر و اعلیٰ ہوگے۔

مولانا سندھی مرحوم جب مسلمانوں کو ایک انقلاب آفریں اقدام کی دعوت دیتے ہیں اور وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا کی خوشخبری سناتے ہیں تو ان کی آواز کسی اہلِ مدرسہ کی آواز اور کسی

خانقاہ نشین کی ہا و ہو نہیں ہوتی جس کی جڑیں حلق سے نیچے نہیں ہوتیں۔ ان کی دعوت ایک آتشین شریعت کو اختیار کرنے اور دنیا میں انقلاب برپا کردینے کی دعوت تھی، ان کی دعوت فکرِ سلیم اور قلبِ مؤمن کی دعوت تھی۔ ان کی دعوتِ حق ایک ایسے شخص کی دعوت تھی جو اگرچہ صاحبِ وحی اور منصبِ رسالت پر فائز نہ تھا لیکن وہ صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے حسبِ ارشاد انبیائے سابقین کی طرح ضرور ہوتا ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔ ان باتوں پر میں ایک غیر متزلزل ایمان رکھتا ہوں اور علم و مطالعہ کی زندگی کی کوئی صبح ایسی نہیں گزری جس میں اس یقین و اعتقاد کا سورج نہ چمکا ہو اور کوئی شام ایسی نہیں آئی جو اس ایمان و اعتقاد پر پہلے سے زیادہ مستحکم نہ کرگئی ہو لیکن وقت کی رہنمائی کے لیے ہر زمانے میں قدرت کا دستِ رہنما کسی انسانی پیکر میں نمودار ہوا ہے۔ سنتِ الٰہی ہمیشہ پہلے کسی قلبِ سلیم کو اپنی ہدایت کے لیے چُن لیتی ہے اور پھر اس کے وجود کو قوم و ملت کی رہنمائی کا ذریعہ بناتی ہے لیکن اس عہد میں وہ شخصیت کون سی تھی، وہ وجود کہاں تھا جو عُبید اللّٰہی فکر کا امین ہو، جو عبید اللّٰہی فکر اپنا کر اپنے تمام عقائد و افکار سے دست بردار ہوگیا ہو، جو اسے پاکر سب کو بھول گیا ہو، جس کی زندگی کا نہ صرف سب سے بڑا بلکہ صرف ایک ہی مشن ہو کہ فکرِ عُبید اللّٰہی کے مطابق ہماری زندگی کے سیاسی، معاشی، دینی تمام نقشے ترتیب پائیں، جس کی استقامت کا یہ عالم ہو کہ طوفان اس کی راہ چھوڑ دیں، جس کی عزیمت کا یہ عالم ہو کہ وہ سیاست کے میدانِ کربلا میں یک و تنہا اپنی فکر کا چراغ جلائے اور وقت کی ظلمتوں اور استبداد کے خلاف یمین و یسار سے بے پروا نبرد آزما ہو، جس کے دماغ میں امید کی شمع فروزاں ہو اور حالات کی خواہ کیسی ہی سنگینی ہو اس کے قلب پر یاس کی پرچھائیں بھی نہ پڑ سکی ہو!

سنتِ الٰہی کے خلاف تھا کہ فکرِ حقہ کی جو شمع مولانا عُبید اللہ سندھی مرحوم نے روشن کی تھی وہ ان کے وصال کے ساتھ ہی بجھ جاتی۔ بعض اوقات ہم سمجھتے ہیں کہ کتنے ہی پودے تھے جو سطحِ زمین سے مٹ گئے لیکن مبدأ فیاض ان کے تخم کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی حفاظت کا فریضہ زمین کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ پھر جب اس کی رحمت کا تقاضا ہوتا ہے وہ ہواؤں کو اشارہ کرتا ہے، ہوائیں مینہ سے بھرے بادل آسمان پر آناً فاناً پھیلا دیتی ہیں اور بارش

کے پہلے قطرۂ رحمت کے نزول کے ساتھ وہ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اپنے خزانے قوت نمو کے حوالے کر دے۔ قوت نمو دیکھتے ہی دیکھتے سطح زمین پر ایک نیا گلستان آراستہ کر دیتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ	وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہوائیں
سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ	بادلوں کو اپنی جگہ سے ابھارتی ہیں اور جس طرح اس
وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ	کی مرضی نے انتظام کر دیا ہے بادلوں کو آسمان میں
مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ	پھیلا دیتا ہے۔ پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ	مینہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز و شاداب
يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝	ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش
(۳۰ : ۴۸)	سے مایوس ہو گئے تھے پانی برساتا ہے تو وہ کامیاب
	و خرم ہو کر خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

عُبیداللہی فکر فی الحقیقت وہ فکر الٰہی ہے جو وقت کی رہنمائی اور قوم و ملت کو حیاتِ تازہ سے ہم کنار کرنے کے لیے اس برصغیر پاک و ہند میں ظہور پذیر ہوئی تھی، کیسے ممکن تھا کہ صاحب فکر کے دنیا سے اُٹھنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی۔ یہ ہماری کم نگاہی اور بے بصیرتی تھی کہ ہم اس فکر کے امین کو اب تک نہ دیکھ سکے تھے۔ یہ ہمارے اپنے پائے طلب کی کمزوری اور ذوقِ جستجو کی کمی تھی کہ ہم وقت کے اس سرچشمہ فکر سے دُور اور اس کی لذت کوشیوں سے محروم تھے۔ بالآخر ہماری بے بصیرتی نے اپنے پَر سمیٹ لیے، ہماری کم نگاہی دُور ہوئی، ہماری نظر کے سامنے سے ناواقفیت کے پردے ہٹ گئے، ہم نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ لیا اور ہمارے دل نے ہمارے اس مشاہدے اور مطالعے کی صحت اور صداقت کی گواہی دی کہ اس دَور میں قدرتِ الٰہی نے عُبیداللہ سندھی کی انقلاب آفریں فکر کی امانت کو خان محمد امین خان کھوسو کے قلب سلیم میں محفوظ کر دیا ہے۔

خان محمد امین خاں کھوسو زندگی میں مختلف نشیب و فراز سے گزرے، وہ عُلوم و افکار کے مختلف آستانوں پر اقامت گزیں ہوتے۔ مُطالعہ و نظر کے راستے میں بہت سی منزلیں

ان کے سامنے آئیں اور ہر راہ کی دِل فریبیاں غارت گر ہوش وتمکیں اور ہر منزل کی دِل ربائیاں دامن کشاں تھیں کہ منزل ہے تو یہی اور کعبۂ مقصود ہے تو یہی۔ فکر ونظر نے فریب کے جال بچھائے، زندگی کی راحتوں اور جسم کی آسائشوں نے عقل وخرد کو دھوکے دیئے اور کہا کہ حیات مستعار کا مقصد یہی راحتیں اور آسائشیں ہیں۔ پھر آخر کیوں گام فرسائی کی جائے اور زندگی کی مشکلات اور آزمائشوں کو دعوت دی جائے تو کیوں لیکن قدرت کا دستِ رہنما انھیں آگے ہی کو بڑھاتا رہا تاآں کہ انھوں نے اپنے یوسف مقصود کو پالیا۔ افکار و مطالعہ کی وہ جن منزلوں سے گزرے تھے ان کے بارے میں شاعرانہ اندازِ بیان اختیار کیا جائے تو شبلی مرحوم کی زبان میں کہا جاسکتا ہے کہ

مجھے چنداں مقیم آستانِ غیر ہونا تھا

اور مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے فیضِ صحبت کے بعد وہ جس مقام پر فائز ہوئے اور جس فکر حقہ پر انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی، کہا جاسکتا ہے کہ

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

فکرِ حق سے عشق کے مقام کی بلندیوں کا ادراک نہیں کیا جاسکتا جب تک صاحب فکر سے عشق اپنے کمال کو نہ پہنچ جائے۔ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم سے ان کے عشق وکمال شیفتگی کا عالم کچھ نہ پوچھیے۔ وہ کسی شخص کی تمام خطاؤں کو معاف کر دے سکتے تھے لیکن مولانا سندھیؒ کی عظمتوں میں کوئی کسی کو شریک ٹھہرائے وہ اُسے معاف نہیں کر سکتے تھے، یہ ان کی بارگاہ میں ناقابلِ عفو گناہ تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وہ مولانا سندھیؒ کی محبت میں کسی کو شریک کرنے کے روادار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فکرِ عبید اللّٰہی سے ان کی وابستگی اور اس پر ان کا یقین غیر متزلزل تھا۔ وہ اپنی سماجی زندگی میں بڑے روادار واقع ہوئے تھے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تک سے ان کے تعلقات تھے، لیکن سیاسی فکری رہنمائی میں وہ مولانا سندھی کے سوا کسی عظمت اور قیادت وامارت کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ ہم اس امکان کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ وہ مقابلہ اور عمل کے میدان سے ہٹ جائیں لیکن اس امکان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ

اپنی فکر میں کسی سے مفاہمت یا لچک بھی پیدا کر سکتے تھے۔

جہاں تک ان کے دینی عقائد کا تعلق ہے وہ اس مکتبۂ فکر سے اور اس کے بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے جن سے مولانا سندھی مرحوم کا فکری اور روحانی تعلق تھا لیکن سیاسی افکار میں وہ صرف مولانا سندھی کے متبع تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مولانا سندھیؒ اس دور کے امام انقلاب ہیں۔ وہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظمت کے قائل و معترف ہیں لیکن ان کے فلسفۂ عمرانیات کی اس تعبیر و تشریح پر ایمان رکھتے تھے جو مولانا سندھیؒ نے کی ہے۔ حالانکہ وہ مولانا سندھیؒ کے بعض شارحین کو نہیں مانتے وہ فکر ولی اللہی کی اس تعبیر پر ایمان نہیں رکھتے جو برصغیر کی بعض سیاسی تحریکات سے متاثر ہے یا کسی نیم مذہبی سیاسی جماعت کے اہل قلم کے نزدیک "اسلامی" ہے۔

مولانا سندھی مرحوم سے انھیں عشق کی حد تک محبت تھی لیکن یہ محبت یک طرفہ نہ تھی مولانا سندھی مرحوم کو بھی ان سے محبت تھی اور ان کی خاطر عزیز۔ وہ ان پر اعتماد فرماتے تھے، انھیں اپنا کہتے تھے، فرماتے تھے: "خان میرا ہے"۔ "میرا خان مجھے جانتا ہے"۔ مولانا سندھیؒ نے نماز میں انھیں اپنا امام بنایا اور خود ان کی اقتدا کی۔ یہ صاف اشارہ ہے کہ خان محمد امین خاں کھوسو مستقبل میں فکر عبیداللہی کے امام ہوں گے۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے خان محمد امین خاں کھوسو کی خدمت میں شرف نیاز حاصل ہوا۔ ان کا خلوص، ان کی للّٰہیت، ان کی فدا کاری، حق کے لیے ان کی عزیمت اور استقامت، ان کی سادہ زندگی، افکار کے معاملے میں ان کا بے لچک رویہ، مولانا سندھیؒ سے ان کا کمال عقیدت و نہایت شیفتگی، فکر عبیداللہی پر ان کا غیر متزلزل یقین اور ان کا اخلاق نیز اس طالب علم پر ان کی شفقت و محبت ایسی نہ تھی کہ ان سے متاثر نہ ہوتا۔ ان کی جگہ میرے دل میں بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کی خبر سنی تو ایسا محسوس ہوا گویا میں ایک بزرگ اور شفیق شخصیت سے محروم ہوگیا ہوں۔ خان محمد امین خاں کھوسو کے انتقال پر میں ان کے اعزہ کے غم میں شریک اور رسمی طور پر تعزیت کنندہ ہی نہیں خود بھی ماتم گسار ہوں۔

مرحوم کھوسو صاحب کی ذات میں علم و فضل، جہد و عمل اور تہذیب و روایات کی بے شمار خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ ان کی داستانِ حیات گزشتہ تقریباً چالیس سال کے سیاسی نشیب و فراز کی کہانی ہے۔ سندھ میں آزادی و انقلاب کی تحریک ان کی اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں کی رہینِ منت ہے۔ انھوں نے بلاکستانِ حریت کو منظم کیا اور راہِ انقلاب میں ان کی رہنمائی کی۔ انھوں نے فکر و عمل کے ہر دور میں عوام کی بے لوث خدمت کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ بڑی حد تک گوشہ نشین ہوگئے تھے لیکن قیامِ پاکستان سے قبل وہ بلاتفریقِ مذہب و ملت سندھ کے عوام کے مقبول و محبوب رہنما تھے۔ وہ بہت بڑے استعمار دشمن تھے۔ وہ شعلہ نوا خطیب اور آتش بیان مقرر بھی تھے۔ انھوں نے اپنی سیاسی زندگی میں عوام میں اور اسمبلی میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے۔ وہ اپنے احباب و معتقدین کا بہت وسیع حلقہ رکھتے تھے۔ وہ اپنی ساٹھ سال کی عمر میں بھی نہایت پرجوش، جواں ہمت اور صاحبِ عزم و حوصلہ تھے، وہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک ملک اور قوم کی خدمت میں مصروف رہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہم ان کی صحبت سے فیض ہونے کے بجائے ان کی رحلت پر ماتم کناں ہیں۔ ہماری نگاہیں انھیں تلاش کرتی ہیں اور نہیں پاتیں۔ اب وہ اس دیس میں جا بسے ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ وہ ملک کے موجودہ حالات سے آزردہ خاطر تھے۔ یہ ان کی آزردہ خاطری کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ہماری اس دنیا ہی کو چھوڑ دیا اور اپنے مولانا (حضرت سندھیؒ) کے پاس چلے گئے۔